OPEN ACCESS
Al-Nasr
ISSN (Online): 2958-9398
ISSN (Print): 2959-1015
https://alnasrjournal.com

واصف علی واصف کی صوفیانہ فکر: ایک مطالعہ
A Study of Mystical Thoughts of Wasif Ali Wasif

Dr. Syeda Tayyaba Rubab
Assistant Professor, Department of Urdu, Govt. Gradaute College for Women Karkhana Bazar, Faisalabad
Dr. Javed Iqbal
Doctoral Candidate, GC University Faisalabad, Faisalabad

Abstract
Wasif Ali Wasif was a great sufy. He gave philosphical touch to sufyism by his rich ideas. Sufyism is not only his thoughts but also his personality has mistical qualities, which is reflected by his "guftgu" in various volumes. His ideas of sufyism grown-up by the depth of life. It has the need of a spritual approach to understand and then apply them in life for a peaceful socity.

Keywords: Thought, Mystical Dimensions, Materialistic, Spiritual Wisdom, Deep Silence

تمہید
واصف علی واصف کا تصوّف فلسفے سے مملو ہے۔ ان کے ہاں صوفیانہ فکر کے ساتھ تجربات و مشاہدات بھی نظر آتے ہیں۔ واصف صوفیانہ فکر و عمل کو عام کرنا چاہتے تھے۔ اِس مقصد کے لیے با قاعدہ محافل کا اہتمام ہوتا، جب اشفاق احمد ان محفلوں میں شریک ہوئے تو انھیں ریکارڈ کرنے لگے جب گفتگو کا آغاز ہوتا تو واصف علی بولتے چلے جاتے اور معرفت کی رمزیں آشکار کرتے جاتے اور گئی رات تک یہ سخن کاری جاری رہتی۔ یہ رت جگے دلوں کو زندگی بخشتے تھے۔ کوئی دینی مسئلہ، کوئی فلسفہ یا معمولاتِ زندگی کا کوئی مرحلہ ہو، واصف علی ہر موضوع پر دسترس رکھتے تھے۔ اِبتدا میں وہ ریکارڈنگ کی اجازت نہ دیتے لیکن اشفاق احمد کے اصرار پر اجازت دے دی اور جب اپنی ریکارڈنگ سنی تو حیران رہ گئے ”جب میرے پاس سو کے قریب کیسٹ ہو گئے تو میں نے انھیں سنائے، انھوں نے سنا تو کہنے لگے کہ یہ کون بول رہا ہے؟ میں نے کہا یہ آپ بول رہے ہیں۔ کہنے لگے یہ تو بڑے کمال کی باتیں کر رہا ہے۔ میں نے کہا ایسے ہی سب کو شک گزرتا ہے، پھر کہنے لگے مجھے سناؤ کیونکہ میں نے یہ باتیں پہلے سنی نہیں ہیں۔

CC BY

میں نے کہا ہم نے بھی نہیں سنی تھیں۔ یہ وہاں سے آتی ہیں۔ یہاں ہوتی ہیں اور آپ ایک ذریعہ بنے ہوئے ہیں۔"[1] یہ گفتگو رُوحانی امراض کی مسیحائی کرتی۔ کوئی ماہرِ نفسیات وہ کام نہیں کر سکتا جو صوفیا اپنی حکیمانہ اور مُدبرانہ گفتگو سے کرتے ہیں اگر ایسی محافل ہوتی رہیں تو مخلوقِ خدا کے دُکھوں کا مداوا ہوتا رہتا ہے۔ محبتیں عام ہوتی ہیں اور لوگ ڈپریشن سے بچ جاتے ہیں۔ واصف اپنی زبان سے محبت کے بیج بوتے رہے۔ ایک بار اِن سے کسی نے پوچھا کہ آپ کا منصب کیا ہے؟ کہنے لگے "مجھے بولنا مِلا ہے۔ میری Speciality "بولنا" ہے۔ میں آپ لوگوں سے بات کرتا ہوں۔"[2] عجب اِتفاق ہے کہ راز بھی جانتے تھے اور بولتے بھی تھے ورنہ عموماً ایسا ہوتا ہے کہ جو جانتے ہیں وہ بول نہیں سکتے اور جو بولتے ہیں وہ جانتے نہیں وہ غور و فکر کی منزل سے ایسے گزرے کہ جس کا تصوّر اِس دور میں محال ہے۔ وقتاً فوقتاً مختلف نشستوں میں وہ اپنا تعارف بھی کروا دیتے، ایک جھلک ملاحظہ کیجیے:

> "ہم نے ایسا آدمی دیکھا ہے کہ چالیس دن اور چالیس رات نہ کھایا نہ پیا۔ نہ ہی سویا۔ میں نے خود دیکھا ہے...... اِلّا یہ کہ اس نے کوئی چائے وغیرہ پی لی۔ ایک ہی خیال کے اندر چلتا رہا ہے۔ کیا سمجھے؟ اس کو اللہ کا اَمر سمجھیں! آپ سوچ میں پڑ گئے..... میں ہی ہوں..... اس میں کیا مشکل ہے! چالیس چالیس گھنٹے ایک انداز کی حالت میں تو میں خود بیٹھا رہا۔ خیال اتنا حاوی ہوتا ہے کہ مرورِ ایام اثر نہیں کرتا۔"[3]

یہ حالت اِرادی نہیں ہو سکتی بلکہ صرف اللہ کی نظرِ کرم اور انعام کے طور پر ہی ایسا ہو سکتا ہے۔ یہ افکار کا سفر ہے جو انسان کو ایسا علم عطا کرتا ہے جس کا مرکز قلبِ انسانی ہے۔ کسی کتاب یا اِدارے سے یہ علم نہیں ملتا یہ تو فیضانِ حق ہے۔ واصف کا کہنا ہے "مجھے حضرت علیؑ سے براہِ راست فیض مِلا ہے۔"[4] انھیں حضرت علیؑ سے خاص نسبت ہے۔ نسبی طور پر بھی اولادِ علیؑ ہیں اور اِکتسابی محبت بھی رکھتے ہیں اپنی شاعری میں جابجا اس محبت کا اِظہار کرتے ہیں۔

میرا نام واصفِ باصفا میرا پیر سیّدِ مرتضیٰؑ
میرا وِرد احمدؐ مجتبیٰ میں سدا بہار کی بات ہوں[5]

حبِ علیؑ

حبِ علیؑ واصف علی کو سدا بہار بناتی ہے تو وہ واصفِ علیؑ ہو جاتے ہیں۔ شاید انھیں بابِ مدینۃ العلم سے کوئی علم کا قطرہ عطا ہوا ہو جس نے انھیں سیر اب کر دیا اور وہ زندگی بھر اس علم کی خوشبو بکھیرتے رہے ان کی گفتگو سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کسی خاص مقام پر تھے۔ ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ آپ کا روحانی مرتبہ کیا ہے بولے "اگر میں اپنا تعارف کرادوں تو آدھے لوگوں کا ہارٹ فیل ہو جائے گا۔"[6] طبیعت میں شانِ بے نیازی تھی۔ فقر کی نعمت کے باعث مقتدر طبقے کی صحبت سے پہلو تہی کرتے۔ معرفتِ حق کے سفر کو لامتناہی تصور کرتے تھے۔ واصف اس عشق کی ایک کڑی تھے جس کی تعریف اقبال کرتے وہ اپنے نفس کی حرارت سے اس دور کے مردہ جسم میں زندگی کی حرکت پیدا کرتے رہے۔ تفکر و تدبر کا جس قدر تنوع واصف علیؒ کے ہاں نظر آتا ہے وہ کسی بھی دور کے کسی صوفی کی تعلیمات میں نظر نہیں آتا۔ ان کے افکار میں ایسی جدت ہے جو انہی کے ساتھ مخصوص ہے اس کے اندر ایک چونکا دینے والی کیفیت ہے۔ صداقت کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ بیان کرنے والے کے ساتھ اپنا رنگ بدل لیتی ہے۔ صداقت کسی کی زینت ہے تو کسی کا عیب اس کے مصداق صرف صادق لوگ ہیں۔ اپنے مدار سے نکل کر صداقت، صداقت نہیں رہتی "کوئی جھوٹا آدمی سچ بولنے لگے تو سمجھ لینا چاہیے کہ سچ خطرے میں ہے۔ سچ وہی ہے جو سچے کی

زبان سے نکلے۔"[7] صاحبِ حال کی توصیف اس طرح کرتے ہیں کہ یہ کسی کے فیضانِ نظر کا اعجاز ہوتا ہے۔ تسلیم و رضا کا خوگر ہوتا ہے۔ سر بازار رسوائی پر ناز کرتا ہے، معلوم اور نامعلوم کے سنگم پر محوِ سرود ہوتا ہے۔ تمام زمانوں پر محیط ہوتا ہے، زمین اس کے سجدے کو ترستی ہے۔ آسماں اس کی رفعت کے سامنے سرنگوں ہے، وہ ظاہر سے باطن، اسم سے مسمّٰی اور نعمت سے منعم کا عرفان حاصل کرتا ہے۔

"صاحبِ حال بننے والے انسانوں کو غور سے دیکھا جائے تو ان کی فطرت میں وفا اور استقامت کی بنیادی خوبی ضرور ہوتی ہے۔"[8]

آرزو انسان

آرزو انسان کو کہیں کا نہیں چھوڑتی، حال کی خوشی میں رکاوٹ آرزو ہے۔ مکان کی آرزو میں انسان دنیا سے گزر جاتا ہے۔ خوشی کی آرزو دکھی رکھتی ہے۔ عزت کی آرزو ظلم کرواتی ہے۔ قدردانی کی آرزو تباہی کا باعث ہے اور کبھی آرزو پوری ہو تو لگتا ہے کہ یہ وہ چیز نہیں جو ہم نے چاہی تھی۔ جب ناکام آرزوؤں پر خوشی ہونے لگے تو یہ خبر کا مقام ہے۔ بہتر ہے کہ "کامیابیوں اور کامرانیوں کی آرزو سے پہلے ان کے انجام اور ان کی عاقبت کے بارے میں کسی جاننے والے سے پوچھ لیا جائے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ بظاہر کامیاب زندگی ایک ناکام بلکہ عبرت ناک انجام سے دوچار ہو سکتی ہے۔"[9] اسی طرح فیصلے کی گھڑی بہت اہم ہوتی ہے۔ ایک لمحے کا فیصلہ زندگی بھر ساتھ رہتا ہے۔ کبھی آسیب بن کر اور کبھی روشنی بن کر۔ دوستی میں تحفے کا فیصلہ دوستی کو کمزور کر دیتا ہے۔ شادی کے فیصلے میں ہم ساری حقیقت نہیں جان سکتے ہم ماضی کی طرف دیکھتے ہیں تو فیصلہ غلطی کا شکار ہو جاتا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ انسان فیصلے سے ہاتھ اٹھالے اور اسے طاقتور ہستی کے سپرد کر دے "اپنے کام اللہ کے سپرد کر دینے والے مطمئن رہتے ہیں۔ جو ہو سو ہو، سب ٹھیک ہے۔ ان کا فیصلہ ہوتا ہے کہ جو ہوا اچھا ہوا تھا، جو ہو رہا ہے اچھا ہے اور جو ہو گا اچھا ہو گا۔ ایسے لوگوں کو فیصلہ کیا تکلیف دے سکتا ہے۔"[10] واصف علی کا ہر موضوع پر ایک منفرد فلسفہ ہے۔ جو ان کے ذاتی غور و فکر کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔ رات کا فلسفہ بڑا بصیرت افروز ہے۔ رات تھکے ماندوں کے لیے راحت ہے۔ جاگنے والوں کے لیے حدی خواں ہے۔ رات ایک راز ہے جسے ہر کوئی اپنی بساط کے مطابق پاتا ہے۔ رات انسان کو زمانی قیود سے آزاد کرتی ہے۔ چشمِ تمنارات کو چشمِ بینا بنتی ہے۔ روح کے حجابات رات کو اٹھتے ہیں۔ دعا کی مقبولیت رات کا اعجاز ہے۔ رات کا سجدہ بگڑی سنوارتا ہے۔ شب بیداری دنیائے معرفت ہے، دنیائے حقیقت اور دنیائے باطن ہے۔

ظلم اور معاشرہ

"رات کا عالم عجب عالم ہے۔ خاموشی گویا ہوتی ہے۔ سکوت نغمہ سرا ہوتا ہے۔ سناٹے بولتے ہیں، ہم کلام ہوتے ہیں۔ آئینوں سے عکس آئینہ باہر نکلتا ہے اور صحرائے تشنہ بھی قلزم رحمت سے ہم کنار ہوتا ہوا سیراب ہوتا ہے، سرشار ہوتا ہے۔" ظلم سے معاشرہ انسانی تنزل کا شکار ہوتا ہے اور معاشرہ ہی ظالم کا پشت پناہ ہے۔ اس طرح ظالم کی حمایت کرتا ہے کہ مظلوم کا احساس ہی مر جاتا ہے۔ غریب کو اپنے حق کا احساس ہی نہیں رہتا یہاں تک کہ مظلوم خود ظالم کے ساتھ مل کر ظلم کی پذیرائی کرتا ہے اگر کوئی ظالم یا ظلم کی نشاندہی کرے تو وہی گناہ گار ٹھہرتا ہے۔ ظالم کے کئی روپ ہیں۔

"کبھی سچائی کا روپ کبھی رہنمائی کا بہروپ، کبھی آشنائی کا انداز، کبھی محبت کا طلسم، کبھی تعریف کرنے والے کی شکل میں۔"[11]

یہ وبا پھیل چکی ہے کہ روپ بدلو، ظلم کرو، دھوکہ دو اور پردہ داری کرتے رہو۔ منافقت سب سے بڑا ظلم ہے۔ کسی شے سے اس کی فطرت کے خلاف کام لینا ظلم ہے جبر ہے اس سے حبس کی فضا پیدا ہوتی ہے اور جب کبھی اچانک لاوا باہر آتا ہے تو ہر شے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ ظالم کبھی دوست بن کر زندگی میں آتا ہے جو بہت ہی خطرناک ہوتا ہے

> "وہ معصوم دلوں کو محبت کے دام میں گرفتار کرتا ہے، ان سے کام لیتا ہے، کام نکالتا ہے اور پھر ایک نامعلوم موڑ پر انہیں حوادثِ زمانہ کے حوالے کر کے شیطان کی طرح مسکراتا ہوا رخصت ہو جاتا ہے۔"[12]

جب تک معاف کرنے کا اور معافی مانگنے کا حوصلہ پیدا نہ ہو ظلم کا پہیہ جام نہیں ہو سکتا۔ ظلم کے خاتمے کے لیے معاف کرنا ضروری ہے اس سے رُوح کے راستے کھل جاتے ہیں۔

رفعتِ خیال

"رفعتِ خیال" پستی حیات میں پیدا نہیں ہو سکتی کوئی باکردار انسان ہی بلند اور پاکیزہ خیالات کا مالک ہو سکتا ہے اور یہ سراسر اللہ کی عطا ہے۔ مادہ پرست اور خواہشات کے اسیر ارفع فکر کے حامل نہیں ہو سکتے اور جو بلند خیالی سے خود کو مزین کرتے ہیں وہ دنیاوی سازوسامان سے بے نیاز ہوتے ہیں۔ بلند فکر لوگ دوسروں پر حاوی نہیں ہونا چاہتے۔ "پستِ خیال انسان آکاس بیل کی طرح خود پھیلتا ہے اور دوسروں کو پھیلنے سے روکتا ہے۔ وہ دوسروں کو ان کے حقوق سے محروم کر کے اپنے نفس کی تسکین چاہتا ہے۔ بلند خیال انسان شمع کی طرح جلتا ہے اور روشنی دیتا ہے۔"[13] بلند خیال لوگ بے غرض ہوتے ہیں اور پست خیال خود غرض، بے غرضی، ہمدردی اور محبت کی طرف لے جاتی ہے اور خود غرضی مفاد پرستی کی طرف، محبت روح کے در وا کرتی ہے اور مفاد پرستی کمینگی پیدا کرتی ہے۔ رفعت خیال کی آرزو میں جاہ و منصب اور مال و متاع کی آرزو سے ہاتھ اٹھانا پڑتا ہے ورنہ بلند خیالی ممکن نہیں۔ "بار تسلیم" یہ ہے کہ انسان پر بہت پابندیاں عائد کر دی گئی ہے۔ وہ ذہنی دباؤ کا شکار، ایک اطاعت اللہ کی ہے تو اور بھی کئی قسم کی اطاعتیں معاشرے کا تقاضا سمجھ کے لاگو کر دی جاتی ہے۔ ایسی صورت میں انسان اپنے باطن کی اصلاح کرے یا نام نہاد اطاعتوں کا بار اٹھائے ہر حاکم اولوالامر بنا بیٹھا ہے یہ اطاعت شرک کے مترادف ہے۔ صرف امر ربی کا امین جو معرفت رکھتا ہے یعنی انسانِ کامل ہی قابلِ اطاعت ہے۔

اللہ اور رسول ﷺ کا اتباع

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا اتباع باقی تمام غلامیوں اور اطاعتوں سے نجات کا ضامن ہے "اگر ہم اللہ کے محبوب کی اطاعت ہی اپنے لیے فرض سمجھ لیں تو بھی کسی اور کا کچھ بھی فرمایا ہوا ہمارے لیے قابلِ تقلید کیوں ہو۔"[14] "خاموشی" ایک ایسا راز ہے جو صرف خاموش انسان کو ملتا ہے۔ خاموش لوگ پانی کی طرح گہرے ہوتے ہیں۔ فطرت کے تمام شاہ کار خاموش ہیں۔ سمندر، پہاڑ، صحرا اور مہیب سناٹے بھی گویا کوئی راز اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہیں جب ہی تو اہل دل پہاڑوں کو اپنا مسکن بناتے ہیں۔ انسان کی اصل منزل اس کا اپنا آپ ہے۔ اپنے من میں ڈوب کر یہ گوہر نایاب ملتا ہے۔ اس کے لیے گہرا سکوت درکار ہے۔ اس خاموشی پر ہزاروں گویائیاں نثار ہیں۔

"آواز حجاب ہے۔ خاموشی کاشفِ راز ہے۔ باطن کا سفر، اندروں بینی کا سفر، من کی دنیا کا سفر، دل کی گہرائیوں کا سفر، رازِ ہستی کا سفر، دیدہ وری کا سفر، چشمِ بینا کا سفر، حق بینی و حق یابی کا سفر، خاموشی کا سفر ہے۔"[15]

انسان خاموشی کی قدر وقیمت جانتا ہے پھر بھی بولتا چلا جاتا ہے۔ خاموشی میں اپنی ذات کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو یہ نہیں کر سکتا۔ اپنے روبرو کھڑا ہونا مشکل ہے اسی لیے گہرا سکوت توڑ کر طوفان بن جاتا ہے۔ طوفان میں ارتعاش ہے اور سمندر میں سکوت، گہرا، بہت گہرا، بامعنی سکوت۔ جب انسان اپنی حقیقت کو پائے تو اس کے اندر بھی صحرا سا سکوت اور سمندر کی سی گہرائی آجاتی ہے اور اسے اپنا اصل ساتھی مل جاتا ہے جو کہ اس کا باطن ہے۔ یہ ساتھی صرف خاموشی سے ہی ملتا ہے۔

خلاصۂ بحث

"گفتگو" میں دانش وحکمت کی باتیں ہیں۔ ہر نشست کا موضوع بالآخر کوئی روحانی راستہ دکھاتا ہے۔ کہیں اللہ سے دوستی کا راستہ بتاتے ہیں تو انسان، خدا اور کائنات کے باہمی تعلق پر سیر حاصل گفتگو ہے۔ کبھی اللہ کے راز سے آشنائی کے گُر بتاتے ہیں، اللہ کے قرب کے کتنے راستے ہیں؟ توبۃ النصوح سے کیا مراد ہے، کہیں فنا وبقا پر بحث ہے، کہیں صحت کے اثرات، راقم الحروف نے ۱۴ جلدیں دیکھیں دامنِ وقت میں گنجائش نہیں اس لیے "گفتگو" کا احاطہ ممکن نہیں۔ ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعی واصف کو "بولنا" عطا ہوا تھا۔ یہ سوال وجواب کا سلسلہ ہے جیسا بھی کسی کے ذہن میں سوال ہوتا واصف ایسا جواب دیتے کہ تان روحانیت پر ٹوٹتی۔ ان کا شاعرانہ کلام بھی اپنے اندر اسرارِ معرفت سموئے ہوئے ہے "آپ کا اپنا کلام معرفت وحقیقت کے اسرار ورموز جس طرح بیان کرتا ہے اس کی قدر ومنزلت کا صحیح اندازہ تو کوئی صاحبِ پہچان ہی لگا سکتا ہے۔ معرفتِ الٰہی کے رموز سے لبریز یہ کلام اپنے اندر ایک گنجینہ گوہر سمیٹے ہوئے ہے۔"[16] جب واصف صاحب نے اپنا شعری مجموعہ "شبِ چراغ" اشفاق احمد کو دیا کہ رونمائی کی تقریب میں آپ اس پر کچھ لکھیں تو اشفاق ان کے منفرد انداز سے متاثر ہوئے۔ اگلے روز جب واصف آئے تو اشفاق نے پوچھا آپ کون ہیں؟ تسلی بخش جواب نہ پاکر کہتے ہیں "میں نے دفتر کا دروازہ بند کیا، چٹخنی چڑھائی اور میز پر ہاتھ مار کر کہا مجھے سچ سچ بتاؤ تم کون ہو۔"[17] اشفاق احمد دراصل روحانیت کا اعتراف چاہتے تھے۔ اس طرح ان کی ملاقات کا سلسلہ چل نکلا جس میں وقفے بھی آتے رہے۔ واصف ہجر ووصال کی کیفیات سے اشفاق کو فیض یاب کرتے رہے۔ واصف اقبال سے بھی متاثر تھے اور کہتے کہ میں اقبال کے کام کو آگے بڑھا رہا ہوں۔ محمد ظہیر بدر لکھتے ہیں:

"واصف کا تصوف سے گہرا تعلق ہے۔ ان کے کلام اور ان کے مضامین کے مطالعے سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ وہ اقبال کے نظریہ تصوف سے بے حد متاثر ہیں بلکہ وہ اقبال سے والہانہ عقیدت رکھتے ہوئے انہیں دانائے راز مانتے ہیں۔"[18]

وہ عہدِ حاضر کی مادہ پرستی کے مقابل زندگی کی روحانی اقدار کو فروغ دیتے رہے ان کے نظریہ تصوف کا ماخذ خالص دینی احکام اور شعائر اسلام ہیں۔

References

[1] Dr. Makhdoom Hussain, *Wāsif Alī Wāsif Tāsurāt aur Mushāhidāt* (Lahore: Kāshif Publications, 2004), 66.

[2] Ījāz al-Haq, *Farmāish Aḥwāl-o-Ashgāl-o-Siffāt-o-Wāsif ʻAlī Wāsif* (Islamabad: National Book Foundation, 2009), 266.
[3] Ījāz al-Haq, *Farmāish Aḥwāl-o-Ashgāl-o-Siffāt-o-Wāsif ʻAlī Wāsif*, 267.
[4] Ījāz al-Haq, *Farmāish Aḥwāl-o-Ashgāl-o-Siffāt-o-Wāsif ʻAlī Wāsif*, 266.
[5] Wāsif ʻAlī Wāsif, *Shab-e-Chirāg* (Lahore: Kāshif Publications, 1991), 66.
[6] Ījāz al-Haq, *Farmāish Aḥwāl-o-Ashgāl-o-Siffāt-o-Wāsif ʻAlī Wāsif*, 266.
[7] Wāsif ʻAlī Wāsif, *Dil Dryā Sumandar* (Lahore: Kāshif Publications, 1998), 39.
[8] Wāsif ʻAlī Wāsif, *Dil Dryā Sumandar*, 24.
[9] Wāsif ʻAlī Wāsif, *Dil Dryā Sumandar*, 114.
[10] Wāsif ʻAlī Wāsif, *Dil Dryā Sumandar*, 117-118.
[11] Wāsif ʻAlī Wāsif, *Qaṭra Qaṭra Qalzam* (Lahore: Kāshif Publications, 1993), 68-69.
[12] Wāsif ʻAlī Wāsif, *Qaṭra Qaṭra Qalzam*, 70.
[13] Wāsif ʻAlī Wāsif, *Qaṭra Qaṭra Qalzam*, 77.
[14] Wāsif ʻAlī Wāsif, *Qaṭra Qaṭra Qalzam*, 85.
[15] Wāsif ʻAlī Wāsif, *Qaṭra Qaṭra Qalzam*, 154.
[16] Wāsif ʻAlī Wāsif, *Tāsurāṭ-o-Mushāhidāṭ*, 120.
[17] Muhammad Nawāz Kharal, *Baton sey Khushbū Aye* (Lahore: Zaviya Publishers, 2012), 461.
[18] Muhammad Zaheer Badar, *Wāsif ʻAlī Wāsif Aḥwāl-o-Aṣār* (Islamabad: Allāma Iqbāl Open University, 1996), 304.